۱۴؍ جنوری ۱۹۱۰ء

خطبہ جمعہ

حضرت امیرالمومنین نے کمال مہربانی سے جناب اکمل صاحب کی درخواست کو شرف قبولیت عطا فرما کر جمعہ کے خطبہ میں تصوف پر تقریر فرمائی جو ناظرین کے فائدہ کے واسطے درج ذیل ہے۔

حضور نے آیات قرآنی الٓرٰ کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰہُ اِلَیۡکَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ بِاِذۡنِ رَبِّہِمۡ اِلٰی صِرَاطِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَمِیۡدِ۔ اللّٰہِ الَّذِیۡ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ وَ وَیۡلٌ لِّلۡکٰفِرِیۡنَ مِنۡ عَذَابٍ شَدِیۡدِ (ابراھیم:۲-۳) کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

تصوف کیا چیز ہے؟ یہ آیت میں نے اسی نقطہ خیال پر پڑھی ہے۔ یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ظلمات سے نور کی طرف نکالنے والا فرمایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقت انسان پر ایسا گزرتا ہے کہ اس کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا وعظ موجب بنتا ہے ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لے جانے کا۔ مگر ایک اور جگہ پر فرمایا ہے اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یُخۡرِجُہُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ (البقرۃ:۲۵۸)۔ گویا وہی نسبت جو پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف فرمائی پھر اللہ نے وہی کام اپنی طرف منسوب فرمایا۔ یہ بات قابل غور ہے۔

حضرت جبرائیلؑ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی خدمت میں لوگوں کو دین سکھانے کے لئے آئے اور پہلا سوال یہی کیا کہ يَا مُحَمَّدُ اَخبِرنِي عَنِ الْاِسْلَامِ (بخاری کتاب الایمان)۔ اسلام نام ہے فرمانبرداری کا۔ سارے جہان کو تو موقع نہیں کہ اللہ کی باتیں سنے۔ اس لئے پہلے نبی سنتا ہے پھر اوروں کو سناتا ہے۔ سو پہلا مرتبہ یہی ہے کہ نبی کی صحبت میں رہے اور اس سے فرمانبرداری کی راہیں سنے اور سیکھے۔ چنانچہ اس بناء پر نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے یہ سمجھایا کہ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (ال عمران:۳۲) یعنی سردست تم میرے تابع ہو جاؤ۔ اس کی تعمیل میں اسلام لانے والوں نے جیسا انہیں نبی کریمؐ نے سمجھایا' کیا۔

کلمہ سکھایا' کلمہ پڑھ لیا۔ نماز سکھائی تو نماز پڑھ لی۔ روزہ' حج' زکوٰۃ جس طرح فرمایا اسی طرح ادا کیا۔ یہ اسلام ہے۔ چنانچہ جبرائیل کے سوال کے جواب میں فرماتے ہیں۔

اَلْاِسْلَامُ اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ تُقِيْمَ الصَّلٰوةَ وَ تُؤْتِي الزَّكٰوةَ وَ تَصُوْمَ رَمَضَانَ وَ تَحُجَّ الْبَيْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا (بخاری کتاب الایمان۔ باب سوال جبریل النبی عن الایمان و الاسلام)

مگر چونکہ منافق لوگ بھی ایسی باتوں میں شریک ہو سکتے ہیں اس لئے اس سے اوپر ایک اور مرتبہ ہے۔ وہ یوں کہ جب انسان یہ اعمال کرتا ہے اور ان کے فوائد و ثمرات مرتب ہوتے ہیں تو پھر عقائد اس کے دل میں گڑ جاتے ہیں۔ یہ ایمان کا مرتبہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے پاس لوگ آتے تو آپکی باتیں سنتے اور آہستہ آہستہ وہی باتیں دل کے اندر گڑ جاتیں اور اس طرح پر انکو اسلام سے ایمان کا رتبہ ملتا اور وہ کئی ظلمات سے نکل کر نور میں آ جاتے۔ پہلی ظلمت تو کفار کی مجلس تھی جس کو چھوڑ کر وہ حضور نبوی میں آئے۔ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم۔

میں نے کئی ڈاکوؤں سے پوچھا ہے کہ تمہیں کبھی رحم نہیں آتا۔ تم کیسے حیرت انگیز بے رحمی کے کام کرتے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں رحم آتا ہے مگر تنہائی میں۔ لیکن جب ہم اپنے ہمجولیوں میں بیٹھتے ہیں تو پھر سب کچھ بھول جاتا ہے۔ یہ ان کی صحبت کی ظلمت کا اثر ہے۔ مواعیظ نبوی آہستہ آہستہ اثر کرتے رہے۔ پھر اللہ کے احکام کی تعمیل کا شوق پیدا ہوتا ہے اور چونکہ احکام الٰہی کے مظہر اول ملائکہ ہوتے ہیں اس لئے ان پر ایمان لاتا ہے جو اس کے دل میں پاک تحریکیں کرتے ہیں تو یہ ان کی تحریکات کی فرمانبرداری کرتا ہے۔ پھر اس کے بعد چونکہ ملائکہ کا تعلق شدید نبی سے ہوتا ہے اس لئے اس کی باتوں پر

ایمان لاتا ہے اور ان کی تعمیل کرتا ہے۔ وہ نبی کو تو پہلے بھی دیکھتا تھا مگر وہ دیکھنا دراصل نہ دیکھنا تھا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے یَنۡظُرُوۡنَ اِلَیۡکَ وَ ہُمۡ لَا یُبۡصِرُوۡنَ (الاعراف:۱۹۹)۔ اس کے بعد اس کی معرفت بڑھتی ہے اور وہ نبی کو اس کی نبوت کی حیثیت سے پہچانتا ہے تو اس کی کتاب کو پڑھتا ہے۔ پھر جزا و سزا کے مسئلہ پر ایمان لاتا ہے اور اس طرح اس کا ایمان آہستہ آہستہ بڑھتا ہے۔ چنانچہ جبرائیلؑ کے سوال مَا الۡاِیۡمَانُ کے جواب میں نبی کریمؐ نے فرمایا۔ اَنۡ تُؤۡمِنَ بِاللّٰہِ وَ مَلَائِکَتِہٖ وَ کُتُبِہٖ وَ رُسُلِہٖ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ تُؤۡمِنَ بِالۡقَدۡرِ خَیۡرِہٖ وَ شَرِّہٖ (بخاری کتاب الایمان)۔ غرض جب مومن کفرو شرک کی ظلمات سے، قوم کے رسوم، قوم کے تعلقات، بزرگوں کی یادداشتوں کی ظلمات سے صحبت نبوی کی برکات کے ذریعے نکلتا ہے اور اس کے دل سے حُبُّ لِغَیۡرِ اللّٰہِ اٹھتی جاتی ہے تو پھر وہ اللہ جل شانہ کے سارے احکام کو شرح صدر سے مانتا ہے۔ اس کے لئے تمام ماسوی اللہ کے تعلقات کو توڑ دیتا ہے اور محض اللہ ہی کا ہو جاتا ہے تو یہ تیسرا درجہ ہے جسے احسان کہتے ہیں۔ اور یہ مومن کی اس حالت کا نام ہے جب اسے ہر حال میں اپنا مولیٰ گویا نظر آنے لگتا ہے اور وہ مولیٰ کی نظر عنایت کے نیچے آجاتا ہے اور وہ غالباً اس کی رضامندی کے خلاف کوئی حرکت و سکون نہیں کرتا۔ چنانچہ جبرائیل کے سوال اَخۡبِرۡنِیۡ عَنِ الۡاِحۡسَانِ کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں اَنۡ تَعۡبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنۡ لَّمۡ تَکُنۡ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ (بخاری کتاب الایمان) تو اللہ کی فرمانبرداری ایسی کرے گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو نہیں دیکھتا تو یہ سمجھے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ مثال کے طور پر یہ دیکھ لو۔ جب انسان کسی امیر یا بادشاہ کو اپنا محسن و مربی سمجھے تو پھر اس کے سامنے اور سب کچھ بھول جاتا ہے اور اس کے مقابل میں کسی چیز کی پروا نہیں کرتا یا مثلاً بعض لوگ مکان بناتے ہیں تو اس کی تعمیر کی فکر میں ایسے مبہوت ہو جاتے ہیں کہ گویا مکان میں فنا ہو گئے ہیں۔

مومن کو چاہئے کہ اس طرح پر اللہ تعالیٰ کی محبت میں فنا ہو جاوے یہاں تک کہ اس کے بغیر اسے کوئی خیال نہ رہے۔ اس درجہ احسان کو دوسرے لفظوں میں تصوف کہتے ہیں اور ان کا نام صوفی ہے۔ لِصَفَآءِ اَسۡرَارِھِمۡ وَ نَقَآءِ اَخۡفَارِھِمۡ ان کے دلی خیالات صاف ہوتے ہیں۔ ان کے اعمال میں کوئی کدورت نہیں ہوتی۔ ان کا معاملہ اللہ کے ساتھ صاف ہوتا ہے۔ وہ خدا کے حضور احکام کی تعمیل کے لئے اول صف میں کھڑے ہونے والے ہوتے ہیں۔ وہ اس دار الغرور میں دل نہیں لگاتے۔ چنانچہ تصوف کی تعریف میں فرمایا۔ اَلتَّجَافِیۡ مِنۡ دَارِ الۡغُرُوۡرِ وَ الۡاِنَابَۃُ اِلٰی دَارِ الۡخُلُوۡدِ صوفی موت کی تیاری کرتا ہے قبل اس کے کہ موت نازل ہو۔ ظاہری و باطنی طور پر پاکیزہ رہتا ہے یہاں تک کہ تجارت و بیع

اس کو اللہ تعالیٰ سے غافل نہیں کرتی رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (النور:۳۸)۔ اصحاب صفہ انہی لوگوں میں سے تھے۔ یہ لوگ دن بھر محنت و مشقت کرتے' اس سے اپنا گزارہ کرتے اور اپنے بھائیوں کو بھی کھلاتے اور پھر رات بھر وہ تھے اور قرآن شریف کا مشغلہ۔

یہ قوم کس طرح تیار ہوئی؟

صحابہ میں تین گروہ تھے۔ بعض ایسے کہ حضور نبویؐ میں آئے' کچھ کلمات سنے' کچھ مسائل پوچھے پھر چلے گئے اور بس۔ نماز پڑھ لی' زکوٰۃ دی' روزہ رکھا' بشرط استطاعت حج کیا اور معروف امور کے کرنے اور نواہی سے رکنے میں حسب مقدور کوشاں رہے۔

اور بعض ایسے جو اکثر صحبت نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں بیٹھے رہتے۔ اس مخلوق کے اندر ایمان رچا ہوا تھا۔ سخت سے سخت تکلیف' مصیبت اور دکھ اور اعلیٰ درجہ کی راحت' آرام اور سکھ میں ان کا قدم یکساں خدا کی طرف بڑھتا تھا۔

انہی لوگوں میں سے ایسے خواص تیار ہو گئے کہ خدا ان کا متولی ہو گیا۔ مجھے اس موقع پر ایک شعر یاد آ گیا:

قَوْمٌ هُمُوْمُهُمْ بِاللّٰهِ قَدْ عَلِقَتْ

وہ ایسے لوگ ہیں کہ سارا خیال ان کو اللہ کا رہ جاتا ہے اور اس کے بغیر کسی کے ساتھ حقیقی تعلق نہیں رکھتے۔ نبی کی اتباع وہ کرتے ہیں مگر اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ بادشاہ کی اطاعت کرتے ہیں تو اسی لئے کہ اللہ نے حکم دیا۔ بیوی بچوں سے نیک سلوک بھی اسی لئے کرتے ہیں۔ وہ دنیا کے کاروبار کرتے ہیں' چھوڑ نہیں بیٹھتے مگر یہ سب باتیں' یہ سب کام ان کے للہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا۔

فَمَطْلَبُ الْقَوْمِ مَوْلَاهُمْ وَ سَيِّدُهُمْ
بِاَحْسَنِ مَطْلَبِهِمْ لِلْوَاحِدِ الصَّمَدِ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح تصوف کی طرف توجہ دلاتے تھے؟

سو اس بارے میں میں بتا چکا ہوں کہ پہلے اسلام سکھاتے تھے' پھر ایمان بڑھتا جاتا تھا اور اخیر میں احسان کا درجہ تھا۔ چنانچہ فرماتا ہے يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ'

(ال عمران:١٦٥) یعنی پہلے لوگوں کو احکام الٰہی سنائے جاویں۔ ان کو کتاب و حکمت سکھائی جاوے۔ پھران کا تزکیہ ہو۔ تین مرتبے ہیں۔ یَتْلُوْا۔ یُعَلِّمُھُمْ۔ یُزَکِّیْھِمْ۔ حدیث میں ان کو اسلام' ایمان' احسان سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

تزکیہ کس رنگ میں فرماتے؟

رسول کریمؐ جب اپنا فرمانبردار کسی کو دیکھتے تو پھراس کے لئے دعائیں کرتے اور اسی طرح پر اللہ کا فضل خصوصیت سے اس پر نازل ہوتا اور خدا تعالیٰ خود اس کا متولی ہو جاتا۔ صحابہ میں بھی تین قسم کے لوگ تھے۔ ایک معلم' چنانچہ ابو ہریرہؓ ۔ عبد اللہ بن عمرؓ۔ انس بن مالکؓ ۔ یہ جس قدر لوگ ہیں احکام سناتے رہے۔

صحابہ میں سے بعض خواص ایسے تھے جو بہت کم احادیث سناتے جیسے خلفاء راشدین بالخصوص حضرت ابوبکرؓ مگر جو حدیثیں انہوں نے سنائیں وہ ایسی جامع ہیں کہ ان سے بہت سے احکام نکل سکتے ہیں۔

بعد اس کے جب لوگوں میں کمی آگئی تو صحابہ کے آخری اور تابعین کے ابتدائی زمانے میں بادشاہ الگ ہو گئے اور معلم لوگ الگ۔ جو معلم اسلام کے تھے وہ فقہاء کہلائے۔ گویا ایک طرف بادشاہ تھے اور ایک طرف فقہاء جن کے ذمے تعلیم کتاب اور تزکیہ یا احسان کا کام تھا۔ یہی اہل اللہ تھے۔ چونکہ ایک وقت میں دو خلفاء بیعت نہیں لے سکتے اس لئے ان لوگوں نے بجائے بیعت کے کچھ نشان اپنی خدمت گزاری کے مقرر کر لئے۔

مشہور پیر قافلہ جنید بغدادیؒ ایک دفعہ' بچے ہی تھے کہ مکہ معظمہ اولیاء کرام کی صحبت میں چلے گئے جہاں محبت الٰہی پر مکالمہ ہو رہا تھا۔ ان لوگوں نے کہا۔ کیوں میاں لڑکے! تم بھی کچھ بولو گے؟ تو انہوں نے بڑی جرأت سے کہا۔ کیوں نہیں۔ اس پر انہوں نے کہا۔

لَهٗ عَهْدٌ ذَاهِبٌ عَنْ نَفْسِهٖ مُتَّصِلٌ بِذِکْرِ رَبِّهٖ قَائِمٌ بِاَدَاءِ حَقِّهٖ اِنْ تُکَلِّمْ فَبِاللّٰهِ وَ فِي اللّٰهِ وَ اِنْ تُحَرِّكْ فَبِاَمْرِ اللّٰهِ وَ اِنْ سَکَنَ فَمَعَ اللّٰهِ (تذکرۃ الاولیاء فارسی فی ذکر جنید بغدادی) جس کے مختصر معنی یہ ہیں کہ صوفی وہ ہے جو اپنا ارادہ سب چھوڑ دے۔ کام کرے مگر خدا کے حکم سے۔ ہر وقت خدا کی یاد سے اس کا تعلق وابستہ رہے۔ وہ بیوی سے صحبت کرے مگر اس لئے کہ عَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (النساء:٢٠) کا حکم ہے۔ کھانا کھائے مگر اس لئے کہ کُلُوْا خدا کا حکم ہے۔ یہ بڑا سخت مجاہدہ ہے۔ میں نے خود تجربہ کر کے دیکھا ہے۔ آٹھ پہر میں انسان اس میں کئی بار فیل ہو جاتا ہے اِلَّا مَنْ عَصِمَهُ اللّٰهُ۔

غرض وہ شخص اللہ کے تمام احکام ادا کرتا ہے۔ جب بولتا ہے تو خدا کی تعلیم کے مطابق۔ ہلتا ہے تو اللہ کے حکم سے۔ ٹھہرتا ہے تو اللہ کے ارشاد سے۔ یہ سن کر سب چیخ اٹھے کہ یہ عراقی لڑکا تاج العارفین نظر آتا ہے۔ ان کے اتباع بہت لوگ نظر آتے ہیں۔

غرض معلمین میں سے ایک گروہ تو فقہاء کا تھا۔ چنانچہ امام ابو حنیفہ ' شافعی ' مالک ' احمد بن حنبل ' داؤد ' امام بخاری ' اسحاق بن راہویہ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ یہ سب لوگ حامی اسلام گزرے ہیں۔ انہوں نے بادشاہوں کا ہاتھ خوب بٹایا۔

دوسرا گروہ متکلمین کا ہے۔ جن میں امام ابو المنصور الماتریدی ' الامام ابو الحسن الاشعری ' ابن حزم ' امام غزالی ' امام رازی ' شیخ تیمیہ ' شیخ ابن قیم رَحِمَهُمُ اللّٰهُ ہیں۔

تیسرا گروہ جنہوں نے احسان کو بیان کیا ہے۔ ان میں سید عبد القادر جیلانیؒ بڑا عظیم الشان انسان گزرا ہے۔ ان کی دو کتابیں بہت مفید ہیں۔ ایک فتح الربانی ' دوم فتوح الغیب۔ دوسرا مرد خدا شیخ شہاب الدین سہروردیؒ ہے جنہوں نے "عوارف" لکھ کر مخلوق پر احسان کیا ہے۔ تیسرا آدمی جس کے بارے میں بعض علماء نے جھگڑا کیا ہے مگر میں تو اچھا سمجھتا ہوں ' شیخ محی الدین ابن عربیؒ ہے۔ پھر ان سے اتر کر امام شعرانیؒ گزرے ہیں۔ پھر محمد انصاریؒ ہیں۔

ہزار سال کے بعد شاہ ولی اللہؒ صاحب ہیں ' مجدد الف ثانیؒ ہیں۔ ان لوگوں نے اپنی تصنیف پر زور دیا ہے مگر صرف روحانیت سے۔ ہندوستان میں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا نام سکھایا ہے ان میں حضرت معین الدین چشتی ہیں ' حضرت قطب الدین بختیار کاکی ہیں ' حضرت فرید الدین شکر گنج ہیں ' حضرت نظام الدین محبوب الٰہی ہیں ' حضرت نصیر الدین چراغ دہلی رَحِمَهُمُ اللّٰهُ ہیں۔ یہ سب کے سب خدا کے خاص بندے تھے۔ ان کی تصانیف سے پتہ لگتا ہے کہ ان کو قرآن شریف و احادیث سے کیا محبت تھی۔ نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیساتھ کیا تعلق تھا۔ یہ بے نظیر مخلوقات تھیں۔ بڑا بدبخت ہے وہ جو ان میں سے کسی کے ساتھ نقار رکھتا ہو۔ یہ باتیں میں نے علیٰ وجہ البصیرت کہی ہیں۔

ایک نکتہ قابل یاد سنائے دیتا ہوں کہ جس کے اظہار سے میں باوجود کوشش کے رک نہیں سکا۔ وہ یہ کہ میں نے حضرت خواجہ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا۔ ان کو قرآن شریف سے بڑا تعلق تھا۔ ان کے ساتھ مجھے بہت محبت ہے۔ اٹھتر برس تک انہوں نے خلافت کی۔ بائیس برس کی عمر میں وہ خلیفہ ہوئے تھے۔ یہ بات یاد رکھو کہ میں نے کسی خاص مصلحت اور خالص بھلائی کے لئے کہی ہے۔

(بدر جلد ۹ نمبر ۱۴--- ۲۷ / جنوری ۱۹۱۰ء صفحہ ۸-۹)